اب سیمینار کا وقت ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر عبدالحیٔ کے ساتھ ہم کار میں روانہ ہوئے۔ نمائش گاہ پہنچ کر جی خوش ہوگیا۔ مدرسۂ شمس الہدیٰ کی پوری عمارت جگمگا رہی تھی۔ ہر طرف چہل پہل اور لوگوں کا ہجوم تھا۔ ٹھیک سات بجے سیمینار کی کارروائی شروع ہوگئی، ابتدائی رسمی کارروائی اور تلاوت کلام مجید اور ایک نعتیہ نظم کے بعد یونیورسٹی کے ایک استاد سماجیات (نام یاد نہیں رہا) نے تقریر کی، پھر مولانا قاضی مجاہد الاسلام نے اسلام اور انسانیت پر مقالہ پڑھا۔ اس کے بعد میری باری تھی میں مقالہ لکھ کر لایا تھا لیکن مجمع کی خواہش دیکھ کر منتظمین نے تقریر کی فرمائش کی، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا، کم وبیش ایک گھنٹہ تقریر ہوئی، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مقالہ محفوظ رہا۔ اب یہ قارئین برہان کی نذر ہوگا۔ دوسرے دن یعنی ۳۰ ستمبر کو سیمینار میری صدارت میں منعقد ہوا، اس لیے ایک انگریزی کے اور دوسرے اردو کے مقالہ کے بعد منتظمین جلسہ کی درخواست پر آج پھر میں نے تقریر کی، جس کا حاصل دعوتِ عمل تھا۔ اس تقریر میں میں نے بہار کی نہایت بیہودہ اور قطعاً غیر اسلامی رسم تلک کی سخت مذمت کی تھی اس لیے خواتین پر خصوصاً اس تقریر کا بڑا اثر ہوا، چنانچہ جلسہ کے اختتام پر چودھری خلیق الزماں مرحوم کی صاحبزادی بیگم ریاست حسین چند خواتین کے ساتھ میرے پاس آئیں اور تقریر پر اپنی غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا۔

پٹنہ کے دو روزہ قیام میں دیرینہ احباب ڈاکٹر عابد رضا بیدار، پروفیسر حسن عسکری، قاضی عبدالودود، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا نظام الدین، مولانا معظم حسین قاسمی اور پروفیسر عبداللہ عباس اور ان کے علاوہ مدرسۂ شمس الہدیٰ اور یونیورسٹی کے متعدد اساتذہ وطلبائے سے ملاقات اور گفتگو کر کے قلبی و روحانی مسرت ہوئی، ایک دن چند گھنٹے دفتر امارت شرعیہ، پھلواری شریف میں گذارے، امارت شرعیہ کا محکمہ ماشاء اللہ ہو بہو ایک کورٹ معلوم ہوتا ہے اور درحقیقت ہے بھی وہ ایک کورٹ، قومی اور ملکی نہیں ملّی ہی سہی، ایک دن صبح ۹ بجے سے ایک بجے تک خدا بخش لائبریری میں رہا۔ تاریخ اسلام پر بعض نادر مخطوطات دیکھے، یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود عابد رضا بیدار لائبریری کو زندہ و پائندہ اور مفید تر بنانے کے لیے وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو مولانا امتیاز علی خاں عرشی رضا لائبریری، رامپور کے لیے کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر احمد اور ان کی نہایت خوش طبع بیگم نے جس خلوص اور محبت سے مہمان نوازی کی ہے اس کا شکریہ!

کشمیر میں عربی شاعری

ایک تعارف

از ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری، شعبۂ عربی امر سنگھ کالج سرینگر

کشمیر اور شعر و شاعری شعر گوئی کے لیے اساتذۂ فن نے جس ماحول اور جن عوامل کی طرف نشاندہی کی ہے وہ کشمیر میں اچھی طرح موجود ہیں۔ یہاں کی مشہور و معروف جغرافیائی حالت شعور اور وجدان کو ابھارنے کے لیے پوری جاذبیت اور تاثیر رکھتی ہے۔ معاصر شاعر خالصی عراقی گویا عالمِ مستی میں کہتا ہے:

إیہ کشمیر ذی الجبال الرّواسی	بسفوحٍ مخضرّة وهضاب
غطیت "بالچنار" مثل عروس	کلّلت بالزّهور یوم الکتاب
وهبوب النّسیم من کلّ صوب	وغناء الطیور فی کلِّ غاب
والتماع الثلوج فوق رؤوس	مِن جبال شمخن عبر السحاب
ها هنا ها هنا الجمال تجلّی	ها هنا ها هنا نسیت الذی بی
ها هنا ها هنا تطیب اللّیالی	ها هنا ها هنا یلذّ شرابی[1]

اے وہ کشمیر جو بلند اور مضبوط پہاڑوں والا ہے جن کے دامن شاداب اور ہموار ہیں

جو اُس دلہن کی طرح، جسے پھولوں کے تاج پہنائے ہوتے ہیں، چنار کے سرسبز درختوں سے

---

[1] مجلہ ثقافۃ الہند، دہلی ستمبر ۱۹۵۵ء

ڈھانپے ہوئے ہیں۔

اور ہر طرف سے یہاں بادنسیم کا چلنا، اور ہر جھاڑی میں پرندوں کا چہچہانا ایسے پہاڑوں کے سروں (چوٹیوں) پر، جو اپنی بلند قامت میں بادلوں سے آگے بھی پار کرتے ہیں برف کا چمکنا —— سچ مچ یہاں حسن اپنے پورے کمال کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، بس یہیں میں اس چیز کو بھولا ہوں۔ جو مجھے لاحق تھی، یہیں راتیں خوشگوار لگتی ہیں اور یہیں شراب سے لطف حاصل کیا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ شعر گوئی میں کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ جس وقت یہاں سنسکرت زبان کا چار سو بول بالا تھا اس وقت بھی کشمیر کی سرزمین شعراء کے نغموں سے گونج رہی تھی۔ فرق یہ ہے کہ یہاں مذہب اور فلسفہ لوگوں کے دل و دماغ پر ہر زمانے میں غالب رہا جس کے زیر اثر شعر بھی زیادہ فکری اور مذہبی مضامین تک محدود رہا، تاہم یہاں کے شعراء نے دوسرے موضوعات پر بھی طبع آزمائی کی۔ ایک محقق کے نزدیک شعرائے کشمیر نے منظوم تاریخ اور فحش نگاری میں جو سرمایہ بطور یادگار چھوڑا ہے اگر وہ دوسرے موضوعات اور اصناف کی طرف کوئی توجہ نہ بھی کرتے تب بھی یہ سرمایہ ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے کافی اور وافی تھا شعر گوئی میں کشمیر کی اہمیت اور حیثیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ محققین کا ایک طبقہ ماضی قریب تک اس بات کا مدعی تھا کہ نامور سنسکرت شاعر کالیداس کشمیری تھا۔ اگرچہ اب یہ دعویٰ ساقط الاعتبار سمجھا جاتا ہے تب بھی وہ ہزاروں کشمیری شعراء جنھوں نے مختلف اصناف پر طبع آزمائی کرکے سنسکرت زبان کو کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے مالا مال کیا ہے سنسکرت کی ادبی تاریخ کے اوراق پر زندہ اور روشن رہیں گے۔

فارسی شاعری سنسکرت زبان کے بعد جب کشمیر میں فارسی زبان شائع ہوئی تو کچھ ہی مدت کے اندر اندر کشمیر نے فارسی میں ایسے مقتدر شعراء پیدا کیے جن کے فضل و کمال کا اعتراف ایران کے اہل زبان اور باذوق شعراء نے بھی کیا۔ صرفیؔ، حبیؔ، خاکیؔ، اکملؔ، غنیؔ، فانیؔ، ساطع

جویا، گویا وغیرہ جیسے سربرآوردہ شعرائے کشمیر کی زباں دانی اور سخنوری کا لوہا فارسی کے مسلم الثبوت اور صاحب فن اساتذہ نے بھی مانا ہے۔ پھر شعرائے ایران کے وقتاً فوقتاً کشمیر وارد ہونے اور یہاں دائمی اقامت اختیار کرنے نے بھی یہاں شعروشاعری کے بازار کو رونق بخشی۔ بابا طالب اصفہانی، محمد جان قدسی، طغرائے مشہدی، مرزا طالب کلیم وغیرہ شعراء کے بارے میں اہلِ علم جانتے ہیں کہ وہ کشمیر میں فارسی شعر گوئی کی نہضت کا باعث بنے[1]۔ انھوں نے کشمیر میں دائمی طور پر اقامت اختیار کی اور پھر یہیں پیوند خاک بھی ہوئے۔ سرینگر کا مشہور مزار شعراء، ایک قبرستان ہی نہیں ہے بلکہ کشمیر کی فارسی سرائی کی قابلِ دید اور باعثِ عبرت تاریخ بھی ہے

کشمیری شاعری ایک طویل زمانے تک شعرائے کشمیر کی طبع آزمائی کا ذریعہ یہی فارسی زبان رہی۔ اس کے دوش بدوش کشمیری زبان کو بھی عروج حاصل ہوا، اور پھر اس حد تک پہنچ گئی کہ فارسی زبان اپنا دامن سمیٹنے پر مجبور ہوئی۔ اب کشمیری زبان نہ صرف ہر ایک کشمیری باشندے کے لیے عام بول چال کی زبان بن گئی بلکہ شعروشاعری کے اعتبار سے بھی اس کے حدود کافی وسیع ہوئے، اگرچہ ابتدا میں کافی عرصے تک فکری اور روحانی مضامین تک ہی محدود رہی مگر بالآخر یہ بھی شاعری کے اہم ترین اصناف جیسے غزل، مثنوی، مرثیہ، لوک گیت، شہر آشوب وغیرہ بیان کرنے کے قابل ہوئی۔ عصر حاضر میں کشمیری شاعری فنی، ادبی اور علمی اعتبار سے پورے عروج پر ہے۔

للہ عارفہ اور کشمیری شاعری کشمیر کی دو قدیم مقدس ہستیوں نے کشمیری شاعری اور شعراء پر کافی اثر ڈالا ہے۔ یہ دو محترم ہستیاں شیخ نورالدین ولی (مرید شیخ محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی) اور للہ عارفہ ہیں۔ یہ دونوں ہستیاں روحانیت اور فکر و نظر کی گہرائی میں بلند مقام پر فائز تھیں۔ للہ عارفہ یا للہ دید یا للیشری پر فنائیت غالب تھی۔ شادی کے فوراً بعد یہ نیک خاتون دنیا سے

---

[1] دیکھیے: تذکرہ شعرائے کشمیر: مؤلفہ حسام الدین راشدی، شائع کردہ اقبال اکیڈمی کراچی اور کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ: پروفیسر عبدالقادر سروری، مطبوعہ سرینگر۔

اپنے تمام رشتے کاٹ کر حقائق عالم میں ڈوب گئی اور پھر ایسے واردات و تجربات پیش کیے جنھوں نے اپنی گہرائی اور گیرائی کے لحاظ سے شعرائے کشمیر میں منفرد مقام حاصل کیا۔
معصومی صاحب نے اس کے چند خیالات کو عربی میں اس طرح منتقل کیا ہے:

ما انفصر وجهك السار الا ان قلبك (يشبه) صخرة
حيث ان الحقيقة لم توثر فيك اصلاً تقلصت شفتاك
وتشنجت انا ملك لطول عهدك بالقرأة والكتابة
ولعل فان ضعينة صدرك لم تنسلل عنك قط[1]

للّہ عارفہ کی عظیم ذہنی صلاحیت، متلاطم دل اور غیر معمولی فکر و بصیرت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ پچھلے چھ سو سال میں اگرچہ کشمیر نے عظیم ترین شعراء پیدا کیے مگر للّہ کی جگہ اب تک خالی ہے۔
کہتے ہیں کہ للّہ برہنہ پھرا کرتی تھی۔ اسی دوران کشمیر کے داعیٔ اسلام میر سید علی ہمدانی یہاں تشریف لائے، وہ ایک دن للّہ کے مقرّسے گذرے، للّہ انھیں دیکھ کر پکار اٹھی "میں نے انسان کو پالیا" یہ کہہ کر اپنا جسم کپڑوں سے ڈھانپنے کے لیے دوڑ گئی۔[2] غرض للّہ عارفہ فکر و بصر کے ایسے مقام پر پہنچی ہوئی تھی جہاں بہت سارے حدود و قیود رفع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے للّہ کے اشعار کو کھینچ تان کر کے کسی خاص مذہب کے تابع بنانا فضول ہے۔

شیخ نورالدین اور کشمیری شعر و ادب دوسرے سربرآوردہ بزرگ حضرت شیخ نورالدینؒ (ریانندہ ریشی) کی مقدس شخصیت ہے۔ شیخ ممدوح کی ولادت ۱۳۷۷ء میں ہوئی اور ۱۴۳۸ء میں انتقال فرمایا۔ حضرت شیخ فطرۃً ولی کامل اور صاحبِ بصیرت مرشد واقع ہوئے تھے۔ وہ شروع ہی میں دنیا سے قطعاً منہ موڑ کر ریاضت و مجاہدات کی طرف لگ گئے۔ ان کی ابتدائی

---

[1] مجلہ ثقافۃ الہند، دہلی، یولیو ۱۹۶۶ء: مقالہ: اغانی الشعب الکشمیری
[2] للّہ کی حیات اور شاعری کے لیے دیکھیے The word of Lalla, the Prophetess مرتبہ Sir Richard Carnac Temple مطبوعہ کیمبرج ۱۹۲۴ء

زندگی کا بغائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلسفۂ ویدانت سے، جو ان کے عہد میں کشمیر میں ہر طرف مشہور و مقبول تھا، غیر شعوری طور پر متاثر تھے۔ مگر جب میر سید علی ہمدانی نے اپنے فرزند میر سید محمد ہمدانی کو شیخ ممدوح کی اصلاح و تربیت پر مامور کیا تو شیخ ممدوح صحیح اسلامی تصوف (احسان) کی راہ پر گامزن ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم زندگی کے آخری ادوار میں انھیں غار نشینی اور رہبانیت کی طرف بہت کم مائل پاتے ہیں جبکہ ان کی روحانی زندگی کا آغاز ہی اسی سخت رہبانیت سے ہوا تھا۔ حضرت شیخ بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کی شاعری کے بارے میں عام لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ قرآن و حدیث ہی کی تفسیر ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت شیخ کے اشعار کائنات کے رموز اور معارف سے پر ہیں مگر ان سب پر اصلاح کا عنصر غالب ہے۔ اگر آپ کو کشمیر کے نامور مصلحین میں جگہ دی جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ کے روحانی کمالات آپ کی اپنی زندگی ہی میں مشہور ہوئے۔ سلاطین اور فقراء یکساں طور پر آپ کی قدر و منزلت کے قائل تھے۔ وسط ایشیا کے وہ اعلا علماء اور صوفیا جن سے کشمیر کی سرزمین ان کے زمانے میں بھری ہوئی تھی، کے ساتھ آپ کے علمی اور روحانی تعلقات تھے۔ اسی طرح ارباب حکومت و سیاست ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے سلطان زین العابدین نے حضرت شیخ کے جنازہ میں بذات خود شرکت کی تھی، بلکہ بعض روایات کے مطابق موصوف نے میت کو کندھا بھی دیا تھا۔

حبہ خاتون | شہمیری دور (۱۳۳۹ء تا ۱۵۶۱ء) کے اختتام اور چک عہد کی ابتداء تک فارسی زبان نے شعر و شاعری کے میدان میں بڑی مقبولیت حاصل کی اور کشمیری زبان کو شعر و شاعری کے لیے نہایت کم استعمال میں لایا جاتا تھا۔ چک عہد میں یوسف شاہ چک حکمران کشمیر کی محبوبہ نے کشمیری زبان کو اپنے نغموں سے نئی زندگی عطا کی۔ یوسف شاہ کی یہ محبوبہ حبہ خاتون کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک غریب کاشتکار کی بیٹی تھی۔ شادی ہونے پر اس کی زندگی سسرال

والوں کی بدمزاجی اور ظلم ستم سے اجیرن بن گئی۔ وہ خود پڑھی لکھی اور صاحبِ ذوق عورت تھی جبکہ اس کا شوہر نہ صرف جاہل اور دریدہ دہن تھا بلکہ اس کو حبہ خاتون کا علمی ذوق بھی سخت ناپسند تھا۔ غرض حبہ خاتون کی زندگی مصیبتوں اور پریشانیوں سے لبریز ہوئی مگر اچانک یہ معمولی کسان نادی ڈرامائی انداز میں حکمرانِ کشمیر کی محبوبہ بن گئی۔ حبہ خاتون کی حساس طبیعت اور ذوقِ سخن کی بدولت کشمیری زبان مالامال ہوئی۔ حبہ خاتون اپنے زمانے کی اچھی خاصی تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ اس نے قرآن شریف کے علاوہ اپنے زمانے کے رواج کے مطابق فارسی اور عربی کی کتابیں بھی پڑھی تھیں، عربی کی عشقیہ شاعری سے وہ خاص متاثر تھی۔[له]

<u>عربی شاعری</u> کشمیر میں عربی شعرگوئی کی طرف مستقل توجہ کسی بھی عالم یا ادیب نے نہیں کی ہے اور یہ بات کشمیر ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سارے ہندوستانی عربی شعراء کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ اہل علم کے مشاغل دوسری نوعیت کے ہوتے تھے اور جب جی ... چاہا کہ عربی شعر میں کسی خیال یا جذبہ کو ظاہر کریں تو اس کی طرف توجہ کرتے تھے۔

کشمیر میں عربی زبان کی تحصیل دینی علوم تک محدود تھی۔ شاعری کے لیے فارسی اور کشمیری زبانیں کافی تھیں۔ سلاطین کی کدوکاوش بھی زیادہ تر فارسی زبان وادب کی ترویج واشاعت پر وقف تھی۔ سلطان زین العابدین نے اگرچہ عربی مخطوطات حاصل کرنے میں بھی دلچسپی ظاہر کی تھی مگر اس نے فارسی اور سنسکرت کی آبیاری پر جو زر کثیر صرف کیا اس کا عشر عشیر بھی عربی کے حصے میں نہ آیا۔ اس ساری بے توجہی اور حوصلہ شکنی کے باوجود سرزمین کشمیر میں عربی شعرگوئی ہوتی رہی۔ حضرت شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ کی تصانیف، جو کشمیر میں اسلامی ثقافت اور عربی علوم کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، میں کچھ حصہ عربی شاعری سے بھی متعلق ہے

له کشمیری زبان اور شاعری: عبدالاحد آزاد ج ۱، مقدمہ۔

ٰ۵ دیوان ابن الفارض: مرتبہ خلیل الخوری، بیروت ۱۸۹۹ء۔

وہ اپنی تصانیف[۱] میں شعرائے متقدمین کے اشعار بھی نقل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ ابوحفص شرف الدین عمر بن الفارض (م ۶۳۲ھ) کے مشہور قصیدۂ خمریہ کی ان کی شرح مشہور اور مطبوع ہے۔ حضرت شیخ ہمدانیؒ کا یہ تحریری کارنامہ خود ان کے بلند پایہ ادبی ذوق کا بہترین نمونہ ہے۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے:

شربنا علیٰ ذکر الحبیب مدامۃً
سکرنا بہا من قبل أن یخلق الکرمُ

حضرت شیخ ہمدانی کے انتقال کے بعد کشمیر میں کافی وقت تک عربی شاعری کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے مگر یہ تسلیم کرنا بہت مشکل ہے کہ کشمیر میں جلیل القدر علماء کا جو قافلہ داخل ہوا تھا اس میں کوئی بھی عالم عربی شعرگوئی سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ سلطان حسن شاہ کے عہد حکومت میں ہندوستان سے ایک صاف باطن اور روشن ضمیر بزرگ شیخ شہاب الدین سندھی کشمیر تشریف لائے۔ ان کے وہ دو شعر قابلِ ذکر ہیں جو انھوں نے کشمیر کے بارے میں کہے ہیں۔ موصوف بعد میں کشمیر ہی میں مقیم ہوئے اور نواکدل (سرینگر) میں دفن ہیں:[۱]

کانّ الکشمیر و سکانہا　　جنّتُ عدنٍ ھی للمؤمنین
قد کتبَ اللہُ علیٰ بابِہا　　من دخلہٗ کان من الآمنین

کشمیری شاعری میں عربی اقتباس | آگے کشمیری شاعری جس سرعت کے ساتھ پھیل گئی اسی تیزی کے ساتھ قرآن، حدیث، تصوف اور عربی ادب سے استفادہ کرنے کی جانب دلچسپی بھی بڑھ گئی، بالخصوص تصوف، جو تمام فارسی اور کشمیری شاعری پر چھایا ہوا ہے، کی کتابوں اور مضامین سے مستفید ہونے کی طرف شعرائے کشمیر نے خاص اہتمام کیا۔ اس کا اندازہ نہ صرف مضامین و مطالب کی یکسانیت سے ہوتا ہے بلکہ اشعار میں عربی اقتباسات ہی کو جگہ دی

---

[۱] تاریخ حسن ج ۳ ص ۲۲۲؛ تذکرہ "شیخ شہاب الدین سندھی"

گئے اور یہ سلسلہ ماضی قریب تک جاری رہا، ہم مثال کے طور پر مشہور صوفی شاعر محمود گامی کے کلام سے کچھ ایسے اشعار نقل کرتے ہیں جن میں قرآن و حدیث کے اقتباسات اور عربی فقرات موجود ہیں۔ ایک نظم کے تین اشعار یہ ہیں ؎

عاشقو معشوق ڈیوٹھ لہ[1] وھوحیّ لا یموت
سالکو لوب دم سکوت[2] وھوحی لا یموت
پرتھ دعائے قنوت[3] وھوحی لا یموت

محمود کی ایک دوسری نظم کا ایک شعر یہ ہے :

یا الٰہی کر اجابت دم دعا
ربّ اغفر لی ذنوبی کلّھا

ایک اور شعر یوں ہے ؎

محمودہ مرُن عاشقن ہند ژان تہ عید اہ[4]
من مات من العشق فقد مات شہیداً

محمود گامی کے علاوہ اس کے معاصرین جیسے شاہ غفور، میر شاہ آبادی، عبدالاحد ناظم، محی الدین شاہ المعروف بہ دیگر، عبدالغفار فارغ وغیرہ شعراء کے منظوم کلام میں بھی اسی طرح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ غرض کشمیر کے فارسی اور کشمیری گو شعراء عربی سے اچھی طرح واقف تھے اور شعر گوئی میں فارسی اور کشمیری تک محدود ہونے کے باوجود عربی عبارات سے بھی اقتباس کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض شعراء نے فارسی کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی

---

[1] یعنی عاشقوں نے اپنا معشوق پالیا۔ [2] یعنی سالکِ راہِ حقیقت نے اسے خاموشی میں پا لیا۔
[3] تم دعائے قنوت پڑھ لو۔
[4] اے محمود! عاشقوں کا عشق میں مرنا ان کے لیے بمنزلۂ عید ہے۔

طبع آزمائی کی۔ ہم ایسے ہی چند شعراء کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ شعراء وقت کے جلیل القدر علماء اور مسلم الثبوت شعراء اور صوفیاء میں سے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات نے اپنی شعر گوئی کا سکّہ غیر کشمیری شعراء کے دلوں میں بھی بٹھایا ہے۔ یہاں کی منظوم عربی شاعری کے موضوعات مختلف ہیں۔ ان میں تصوف، اخلاق، مرثیہ، نعت، تقریظ اور حکمت قابلِ ذکر ہیں۔ فلسفیانہ شاعری میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری محدث کا مقام نہ صرف کشمیر بلکہ پورے ہندوستانی عربی شعراء میں ممتاز ہے۔ کشمیر کی سرزمین اگرچہ مناظرِ فطرت سے بھری ہوئی ہے مگر یہاں کی عربی شاعری میں اس کا اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔

چند شعراء کا مختصر تعارف اور نمونۂ کلام درجِ ذیل ہے۔

(۱) صرفی | حضرت شیخ یعقوب صرفی ۹۲۸ھ میں سرینگر میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد وقت کے کشمیری اور غیر کشمیری علماء سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں حضرت ابن حجر مکیؒ، ملا محمد آنی اور شیخ کمال خوارزمی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح بے شمار اہلِ علم نے حضرت شیخ صرفی سے دینی اور ادبی علوم حاصل کیے بخود حضرت مجدد الف ثانی نے شیخ صرفی کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کی۔ حضرت صرفی نے عربی و فارسی اور نظم و نثر میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کا تعلق حدیث، تفسیر، تصوف اور شعر و ادب کے ساتھ ہے اور آج بھی موجود ہیں۔ حضرت صرفی نے ۱۲ ر ذیقعدہ ۱۰۰۳ھ میں سرینگر میں انتقال کیا۔

شیخ یعقوب صرفی جامع الکمالات بزرگ تھے۔ دینی علوم میں ان کا تبحّر پورے ہندوستان میں مسلم تھا۔ عربی و فارسی کے مسلم الثبوت شاعر تھے۔ فیضی کی سواطع الالہام پر جن چند فضلائے عصر نے تقریظ لکھی ہے ان میں شیخ یعقوب صرفی کشمیری بھی شامل ہیں ان کی تقریظ عربی نثر و نظم میں ہے۔ وہ فارسی کے چند نامی گرامی شعراء میں تھے۔ بدایونی نے وقیع الفاظ میں ان کے ادبی کمالات کا ذکر کیا ہے۔ مولانا شبلی نے شعر العجم میں کسی کشمیری شاعر کے ساتھ اعتناء نہیں کیا ہے

حتیٰ کہ غنی کشمیری سے بھی صرفِ نظر کی ہے مگر اس کے باوجود ان جلیل القدر شعراء کا کلام مقبول ہوا۔ ڈاکٹر ظہورالدین احمد نے صرفی کی شعر گوئی پر ساٹھ صفحات میں کلام کیا ہے[1] اسی طرح عصرِ حاضر کے بہت سے سربرآوردہ نقادوں نے ان شعراء کی سخن شناسی اور سخنوری پر مستقل کتابیں اور مقالات لکھے ہیں۔

صرفی کا فارسی کلام مرتب ہے جب کہ عربی شاعری بکھری ہوئی ہے۔ فارسی غزلوں ہی میں جہاں ذوق نے ساتھ دیا عربی اشعار بھی کہنے لگے۔ اسی منتشر کلام سے ہم چند اشعار بطور نمونہ درج کرتے ہیں۔

صرفی نے فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کی تقریظ میں عربی میں چھیالیس اشعار لکھے ہیں ان میں سے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

یامَن بسرّ الوحیِ انت اعلم قد جاءنا منک الکتاب المحکم
یامن لفیض کاملٍ خَصصّت من علمتہ مالم یکن ہو یعلم
اہل الہدیٰ ہم اہتدوا الّا بہٖ ماضل الّا ظالمٌ بل اظلم
من سترالقرآن لاعن مرایۃ عبدٌ عظیمٌ شانہٗ بل اعظم[2]

صرفی کی بہت سی غزلیں ایسی ہیں کہ ان کا ایک مصرع عربی میں ہے اور دوسرا فارسی میں۔ یہ ان کے ماہرِ فن ادیب اور برجستہ گو شاعر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس صنف کی ایک غزل یہ ہے:

دردمی کہ ایں نامہ می کردم رقم کان یجری اللہ معٌ ممزوجاً بدم
ہر رقم کز خامہ ام ظاہر شدی کادیمحو معنی ذاک الرّقم
محو حرفِ اشتیاق از لوحِ دل لیس فی وسعی وقد جفّ القلم

---

[1] سواطع الالہام: ص ۹۴۷ [2] منتخب التواریخ: ج ۲ ص ۱۴۸

دربلائے ہجر حکمتہا بود　　لیتنی لو شفت عن تلک الحکم
صرفی از دریائے اُشکم نہ محیط　　لیس الّا مثل رشف من دیم[1]

شیخ یعقوب صرفی نے فارسی زبان کے ان نامور شعراء کی زمین میں بھی غزلیں کہی ہیں جن کا ایک مصرع عربی اور دوسرا فارسی میں ہے، بالخصوص قدماء کی ان غزلوں کے تتبع کی کامیاب کوشش کی ہے جو اپنی عمدگی اور ادبی حسن میں آج بھی بڑی مقبول ہیں۔ مثلاً دیوانِ حافظ کی پہلی مقبولِ عام غزل، جس کا مطلع یہ ہے:

الا یا ایہا السّاقی ادر کاساً وناولہا　　کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

کے طرز پر حضرت شیخ صرفی نے جو غزل کہی ہے، اس کا مطلع یہ ہے:

حبیبی ضربۃً بالسیف تکفینی تعجلہا
کہ در تاخیر آفات ست و در آفات مشکلہا

اسی طرح مولانا جامی کی ایک مشہور غزل، جس کا مطلع یہ ہے:

احنّ شوقاً الی دیار لقیت فیہا جمال سلمیٰ
کہ می رساند از آں نواحی نوید لطفِ بجانبِ ما

کی پیروی میں شیخ یعقوب صرفی نے درجِ ذیل غزل کہی ہے:

جُننت حبّاً سلبت عقلاً غلبت شوقاً لوصل سلمیٰ
کہ می تواند خبر رساند، بآں پری وش زحالتِ ما
چہ گویم احوالِ خود عزیزاں کہ خوار و زارم بہ کنج حرماں
ملئت حزناً حزنت ھجراً ھجرت ممّن سعیٰ علینا
حکیت من تا کجا بہ عالم کہ نیست. چوں من کسے بعالم

---

[1] رشحاتِ کلامِ صرفی: محمد طیب صدیقی

سقیمٌ ھجرٍ عدیمٌ صبرٍ کثیرُ بلویٰ قلیلُ شکویٰ
سلبتَ عقلی نھبتَ قلبی فانت حلّی وانت حُبّی

بخوب رویانِ دیگر اکنوں چکار دارم تو خود بہ فرما
زعشق زاہد کنارہ گیرد دلِ من آنجا بجاں پذیرد
فمثل سیرٍ علیہ مرّو مثل رمّان علیّ احلیٰ
جرت دموعی علیٰ خدودی فھلذا یا لھوی شھودی

گواہ عالم بر بین ورحمے بحالِ ایں دل شکستہ فرما
بے چو صرفی بکنجِ ہجراں قتیلِ شوق و مریضِ حرماں
فبالوصال حیٰوۃ قتلیٰ وبا للقاء شفاء مرضیٰ[1]

(۲) حُبّی | شیخ حبیب اللہ نوشہری کشمیر کے جلیل القدر صوفی تھے۔ علی شاہ شک کے عہدِ حکومت میں ۹۷۳ھ میں تولّد ہوئے۔ ان کے والد ممتاز تاجر تھے۔ شیخ نے بھی اول اول اپنا آبائی پیشہ اختیار کیا۔ دکان پر دن بھر قرآن مجید تلاوت کیا کرتے تھے۔ اسی دوران دل طلبِ علم کی طرف مائل ہوا۔ اس کی تحصیل کے لیے ملّا حسین آفاقی کی طرف رجوع کیا یہاں سے سلوک و تربیت کی غرض سے ایک بزرگ میر محمد خلیفہ کی خدمت میں پہنچے۔[2] مگر شیخ یعقوب صرفی کی ملاقات اور روحانی تربیت نے ان کی زندگی میں بڑا انقلاب پیدا کیا۔ اب وہ دنیا سے تمام روابط منقطع کر کے عبادات و ریاضات میں مشغول ہوئے۔ اسی دوران ان پر استغراقی کیفیت غالب آئی جس سے انھیں سماع کے ساتھ سخت رغبت پیدا ہوئی اور اس کا بازار تادم آخر گرم رہا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ شہنشاہ جہانگیر ان کی خدمت میں

---

[1] رشحاتِ کلامِ صرفی: محمد طیّب صدیقی: ص ۶۰۔
[2] فتحاتِ کبرویہ (قلمی)

آیا مگر شیخ کو اسی سرور و سرود کی کیفیت میں غرق پایا[1]

شیخ حبیب اللہ نوشہری نے ۱۰۲۶ھ یا ۱۰۲۷ھ میں انتقال کیا۔

جتی نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں۔ دیوان جتی، تنبیہ القلوب، وصیت نامہ صرفی، مرأۃ القلوب، مقامات حضرت ایشاں وغیرہ نظم میں اور رسالۃ السلوک نام کا ایک چھوٹا سا رسالہ عربی نثر میں ہیں[2]

جتی کشمیر کے برگزیدہ فارسی شعراء میں تھے۔ عربی میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔ ان کا عربی کلام مستقل کتابی صورت میں نہیں ہے بلکہ ان کی تصانیف میں منتشر صورت میں ہے۔ اگر ان کی تصانیف سے یہ کلام جمع کیا جائے تو اچھی مقدار میں وجود میں آئے گا۔ عربی کلام میں ان کی وہ مثنوی زیادہ مشہور ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر حامد علی خان صاحب لکھتے ہیں "کہ ہندوستان میں یہ غالباً پہلی عربی مثنوی ہے"[3] یہ مثنوی انھوں نے مذکورۃ الصدر عربی رسالہ کے آخر میں لکھی ہے اور الانصاف فی بیان طریقۃ النجاۃ کے نام سے موسوم ہے۔ رام پور کے کتاب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اشعار کی تعداد چوبیس[24] ہے۔ اس مثنوی کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

مذهب العشق مذهبٌ واحد — اذهب اذهب عليه يا ناهد

ليس للعقل اجتهادٌ فيه — ليس للنقل اعتمادٌ فيه

انّما الحال ههنا منظور — انّما القالُ ههنا مهجور

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۴۳-۳۴۴۔

[2] یہ ساری تصانیف ریاست جموں و کشمیر کی ریسرچ لائبریری (شعبۂ مخطوطات) میں زیر نمبر "۲۱ A تا ۲۱ E" اور "۱۶۴۳-۱۶۴۶" موجود ہیں۔

[3] ہندوستان میں عربی شاعری (قلمی)۔

دولت العشق دولۃ الکبریٰ　　حصل الکبروی من کبریٰ
ینتجی القضیۃ من الکبریٰ　　لا تجیٔ ھٰذہٖ من الصغریٰ
الطریق الھدیٰ طریقتنا　　تتجلّٰی بہٖ حقیقتنا
کیف لا کیف لا کن ادکن ا　　والا میرالکبیرُ داخلھا
ذاتہٗ کان مثل ذات ابیہ　　صفۃ الابن بالصفات شبیہ
ظاھراً کان اعلم العلماء　　باطناً کان اعرف العرفاء

اس مثنوی میں مذہب عشق کی تعریف اور مسلک کبروی کی تمجید کی گئی ہے کشمیر میں سلسلۂ کبرویہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس کی بنیاد یہاں مبلغ شہیر میر سید علی ہمدانی رح کے ہاتھوں پڑی ہے۔ شیخ حبیؔ نے اس مثنوی میں شیخ ہمدانی کے فضائل و محامد بھی بیان کیے ہیں۔ مذکورۃ الصدر اشعار میں الامیرالکبیر سے مراد میر سید علی ہمدانی ہیں۔ اسی طرح آٹھویں شعر میں آپ سے مراد حضرت علی بن ابی طالب رض اور ابن سے میر سید علی ہمدانی رح ہیں۔ سلسلۂ کبرویہ کے بانی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ تھے۔ مثنوی میں ان کی تعریف و توصیف بھی ملتی ہے۔

شیخ حبیب اللہ کی جملہ تصانیف میں عربی کے بکثرت اشعار اور غزلیں موجود ہیں۔ ایک عربی غزل درج ذیل ہے۔ اس کا مقطع فارسی میں ہے سہ

حبیبی الیک حشائی مشا　　فاین المرادُ واین الحشا
یراک الحشا بالغدو والعشا　　فنعم الغداء ونعم العشا
للہ بک جانی لدیّ الھموم　　عسیٰ ان یلی مھجتی ان تشا
تجلی النھار یصیح الصبیح　　بوجہِ الرّقیب اذا اعطشا
اردنا المدام بمیل تمام　　فمن جرعۃ قلبنا انتشا
فمن لیس فی قلبہٖ حبّک　　جدار بلا مھجۃٍ انقشا
نیازی زحُبّیؔ و نازی زتو　　نیازی و نازی خوشا نہ وشا

شیخ حبیب اللہ نوشہریؒ نے بھی دیگر شعراء کی طرح فارسی کے ممتاز شعراء کی تقلید اور تتبع میں غزلیں کہی ہیں۔ہم نے صرفیؔ کے تذکرہ میں ان کے دو تقلیدی نمونے پیش کیے۔اب شیخ حبیب اللہ کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔مولانا جامی کی مشہور غزل، جس کا مطلع یہ ہے:

احنّ شوقاً الیٰ دیارٍ لقیتُ فیہا دیا سلمیٰ کہ می رساند ازاں نواحی نوید لطفِ بجانبِ ما

کی زمین میں شیخ حبیب اللہ نے یہ غزل کہی ہے:

اردت اخذ الغزال یوماً فصرتُ صید العین عنرا
کہ می رساند زوادیٔ غم، پیام محزون بہ خانۂ ما

یکی نباشد چو من بعالم شکستہ حالے بہ نسلِ آدم
حبستُ جسماً قتلتُ قتلاً عرفتُ عرفاً حرقت نارا

ببیں کہ سودا چہ کرد جانم مبیں کہ سودی ندان نہ دیدم
شربت غماً بہمٍّ دنیا و بعتُ ھماً بغمّ سلمیٰ

رمیتُ سہماً شویت لحماً جزاک خیراً عفاک ایضاً
اگر بخندہ نمک نہ ریزی دردنِ بریاں ودائے دیلا

اذا ضحکتِ فصرتُ حیّاً فانہ کالنّ لا لِ شیئاً
ازوست قائم حیات خضر و ازوست دائم دمِ مسیحا

زہی چہ روزی کہ دیدہ مست روشنی چو نیکو کرد دیدہ مت مو
کأنّ وجہک معاش جنّی وانّ شعرک لباس ھذا

ملا نازک | اخوند ملا نازک گیارھویں صدی کے نامور کشمیری عالم اور بزرگ گزرے ہیں۔محلہ تاشوان سرینگر میں ان کی ولادت ہوئی تھی اور یہیں ۱۰۹۷ھ میں انتقال کیا۔علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے۔حاجی محمد سیالکوٹی، جو اپنے وقت کے برگزیدہ روحانی پیشوا تھے، کے ورودِ کشمیر پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حاجی صاحب نے

ان کی روحانی تربیت کی طرف خاص توجہ کی بلکہ انہی کے لیے ایک مرتبہ سیالکوٹ سے کشمیر آئے تھے۔ ملا نازک نے بھی اپنے مرشد کی ملاقات اور فیض و تربیت حاصل کرنے کے لیے کئی بار دور دراز کا سفر اختیار کیا۔ آخر میں ان پر فنائیت چھا گئی اور صاحبِ کشف و کرامات ہوئے۔ اسی زمانے میں ان کا ایک جواں سال فرزند ملّا محمد باقر دنیا سے چل بسا۔ صاحب علم اور جواں سال فرزند کی موت والد کے لیے مصیبتِ کبریٰ اور داہیۂ عظمیٰ ثابت ہوئی جس سے ان کا دماغ بھی بری طرح متاثر ہوا۔ ان کی مجلس صلحاء کی مجلس ہوتی تھی۔ یہاں اہل دل جمع ہوتے اور صوفیانہ رموز و دقائق دریافت کرتے تھے۔ انتقال کے بعد احباب و متوسلین نے ان کی قبر پر گنبد تعمیر کیا۔ مزارِ مقدس سید محمد منطقی کے مزار پُر انوار (واقع تاشوان سرینگر) میں واقع ہے[1]

ملا نازک فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اشعار کا رنگ عشقیہ اور صوفیانہ ہے۔ عربی کی دو مختصر غزلیں بطور نمونہ کلام درج کی جاتی ہیں ؎

(ا) قد رأینا الیوم انوار الحبیب — لا تکن فیما شہدنا من ریب
نحن نشرب دائماً خمر الودود — لیس للزہاد من ہذا نصیب
نحن ندعوا حاضراً فی حضرتک — یا دلیل الحائرین یا رب الحبیب
مات فی بیتک غریبٌ نازکی — یا رحیم ارحم لاحوال الغریب[2]

(ب) انتَ مطلوبٌ ومنظورٌ لنا — انت معبودٌ ومقصودٌ لنا
لا نریٰ فی الکون اِلّا وجہک — انت مشہودٌ وموجودٌ لنا
مذہب الزہاد منعوتٌ لہم — مشرب العشاق محمودٌ لنا
ان وعدتم باللقاء فی الآخرہ — وہو فی الکونین مشہودٌ لنا

---

[1] تاریخ اعظمی، لاہور: ص ۱۸۰ [2] تاریخ اعظمی: ص ۱۸۱۔

لازوالُ عارضُ للعارفین
فانّ الظلّ ممدودٌ لنا[1]

ملا طیب | ملا طیب کے بارے میں معلومات بہت کم ملتی ہیں۔ وہ سرینگر کے رہنے والے تھے بعض تذکروں میں آپ کے انتقال کی تاریخ ۱۴ ذوالحجہ ۱۰۶۸ھ مذکور ہے۔ ملا نازک (م ۱۰۰۷ھ) اور ابوالفقرا نصیب الدین غازی (م ۱۰۴۷ھ) آپ کے نامور معاصرین میں سے تھے۔ ملا طیب صاحب علم صوفی تھے۔ مگر جب روحانیت میں قدم رکھا تو علمی کاروبار سے کنارہ کش ہوئے۔ طریقت میں نقشبندی سلسلہ سے منسلک تھے آخری عمر میں ان پر جذب ودیوانگی کی کیفیت طاری ہوئی جس سے تمام تکالیفِ شرعیہ سے خلاصی پائی۔ ان کی طبیعت موزوں تھی۔ عربی وفارسی اشعار پر مشتمل ایک دیوان بطورِ یادگار چھوڑا ہے۔ یہاں ایک نظم بطور نمونۂ کلام درج کی جاتی ہے۔ شاعری میں طیّب تخلص رکھتے تھے[2]

لقد مسّنی الضرضر عجیب　　مریض سقیمٌ فاین الطّبیب
ذلول ملول نحیفٌ ضعیف　　فقیر حقیر ذلیل غریب
الا فادعنی کل ھم وغمّ　　الا انّ ربّی قریبٌ مجیب
الٰہی غفورٌ شکورٌ ودود　　رؤفٌ رحیمٌ حفیظٌ رقیب
اَجبْ دعوتی احتفر حوبتی　　اطبنی بعیشٍ رضیٍّ رحیب
رکبتُ الخطایا وذنبی عظیم　　وارجوك ادخال دار المنیب
اگر فعل طیّب ہمین ست ولیک　　فقولٌ لہ طیبٌ مستطیب

مولانا صدرالدین آزردہ | صدرالصدور مفتی صدرالدین نہ صرف کشمیر کے علماء میں ممتاز

---

[1] تاریخ اعظمی: ص ۱۸۱　[2] تذکرۂ شعراء کشمیر (قلمی)

مقام و مرتبہ رکھتے ہیں بلکہ ہندوستان کے صفِ اول کے فضلا میں گزرے ہیں۔ ان کے والد بزرگوار مولانا لطف اللہ کشمیری نے علی گوہر شاہ عالم ثانی کے عہد میں کشمیر سے ہجرت کرکے دہلی میں اقامت اختیار کی۔۔۔ مولانا صدرالدین کی ولادت دہلی ہی میں ہوئی مولانا فضل امام خیرآبادی، حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ محمد اسحاق وغیرہ سے عقلی و دینی علوم کی تحصیل کی اور جلد ہی علم، ادب، فن، سیاست وغیرہ میں ایسی جامعیت کے مالک ہوئے کہ ان کا شمار وقت کے گنے چنے فضلاء اور اکابرین میں ہونے لگا۔ ۲۴ر ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵ر جولائی ۱۸۶۸ء میں انتقال کیا۔[۱]

مولانا صدرالدین نہ صرف دینی و عقلی علوم کے فاضل تھے بلکہ فنونِ ادب میں بھی مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ ان کی خدمت میں فقہی مسائل کے ساتھ ادبی و نحوی مسائل کی تحقیق کے لیے بھی فتوے آتے تھے۔[۲] ایک نحوی مسئلے کا استفتا، اور فتویٰ، جو دونوں عربی زبان میں ہیں، پروفیسر محمد شفیع مرحوم (سابق ایڈیٹر اورنٹل کالج میگزین) کو دستیاب ہوا تھا جس کا عکس انھوں نے مولانا آزردہ کی مختصر سوانح کے ساتھ شائع کیا تھا۔[۳] مولانا آزردہ نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر گوئی کی ہے۔ غالب جیسا استادِ فن اپنے قصائد پر آزردہ کی داد کا منتظر رہتا تھا۔[۴] مؤلف شمع انجمن نے انھیں عربی شعر گوئی میں اعشیٰ اور جریر کا مثنّٰی قرار دیا ہے۔[۵] سرسید نے ان کے تینوں زبانوں میں کہی گئی شاعری کا نمونہ پیش کیا ہے۔[۶] مولانا آزردہ اور ان کے خواجہ تاش مولانا فضل حق خیرآبادی

---

۱ نزھۃ الخواطر۔ ج ۷، ص ۲۲۰-۲۲۱ ۲ حدائقِ حنفیہ (اردو ترجمہ): ص ۴۸۱ -

۳ اورنٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۶۲ء -

۴ کلیاتِ غالب (فارسی): ص ۵۰۴، شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۶۵ء -

۵ تذکرۂ شعرائے کشمیر: سید حسام الدین راشدی: ج ۱ ص ۸ -

۶ آثار الصنادید: ص ۵۲۵-۵۳۵ -

شاعری میں حضرتِ شاہ عبدالعزیز سے اصلاح لیتے تھے[1]

جس طرح مولانا صدرالدین کے اکثر و بیشتر فتاویٰ اور رسائل ضائع ہوگئے ہیں اسی طرح ان کا منظوم کلام بھی تلف ہوا ہے۔ ان کے منظوم کلام میں آج وہی چند اشعار ملتے ہیں جو بعد کے تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں میں بطور نمونۂ کلام محفوظ کیے ہیں بمصنف نزائدالدھر نے مولانا کی سوانح کے ساتھ ساتھ عربی اشعار بھی درج کیے ہیں۔ اسی طرح صاحبِ المعتقد المنتقد نے دو شعر محفوظ کیے ہیں[2] سرسید مرحوم اور مولانا عبدالحی حسنیؒ نے پانچ اشعار درج کیے ہیں ہم انھیں یہاں نقل کرتے ہیں ؎

وَکنا کغصنی بانۃٍ قد تأنّقا — علیٰ دوحۃٍ حتّٰی استطالا وأینعا
یغنیھما صدح الحمام مرجّعًا — ویسقیھما کاس السحائب مترعا
سلیمین من خطبِ الزمان اذا سطا — خلیین من قول الحسود اذا سعا
ففارقنی عن غیر ذنبٍ جنیتہ — والقیٰ بقلبی حرقۃ وتوجُّعا
عفی اللّٰہ عنہ ما جناہُ فاننی — حفظت لہٗ العھد القدیم وضیّعا[3]

شیخ احمد واعظ | علّامہ احمد کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ کشمیر کے سربرآوردہ علماء اور مبلغین میں سے تھے۔ آپ اس دور کی یادگار ہیں جب ہر قسم کا تنزل کشمیر پر مسلط تھا۔ سرینگر میں ولادت پائی تھی اور یہیں ۶ محرم ۱۲۹۲ھ میں انتقال کیا۔ عربی علوم کی تحصیل مولانا نورالدین متوجیے اکابر علماء سے کی تھی[4] مگر اساتذہ کی تربیت سے زیادہ اپنی محنت اور ذوق سے آگے بڑھے۔

---

[1] حسن العزیز: ج ۴ ص ۱۹۵۔
[2] ہندوستان میں عربی شاعری (قلمی) ڈاکٹر حامد علی خان صاحب (علیگڑھ)۔
[3] الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند: ص ۴۸، دمشق ۱۹۵۸ء۔
[4] تاریخ حسن: ج ۲ ص ۳۹۴۔

عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر قدرتِ کاملہ رکھتے تھے۔ دین کی تبلیغ اور وعظ خوانی دائمی مشاغل میں شامل تھے۔ اس خدمت کے لیے پنجاب بھی جاتے تھے۔ درس و تدریس سے بھی غافل نہ تھے۔ فقہ اور حدیث کے ساتھ خاص مناسبت رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ انھیں ہزار اصل احادیث بہ نوکِ زبان تھیں۔ فقہ میں حنفی اور عقائد و مشرب میں ٹھیٹھ صوفی تھے۔ اسی کے ساتھ قلم پر اس قدر حاوی تھے کہ کشمیر کے نامور کثیر التصانیف علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ مشہور ہے کہ نثر سے زائد کتابیں لکھی ہیں، ان میں تین کتابیں راقم کے مطالعہ سے گزری ہیں اور ریاست جموں و کشمیر کی ریسرچ لائبریری کے شعبۂ مخطوطاتِ عربی و فارسی میں موجود ہیں۔ ان تین رسالوں کے نام یہ ہیں: (۱) عینی البخاری فی شرحِ اربعین القاری (حدیث میں)

(۲) انفع الوسائل فی جواب خمسۃ مسائل (فقہ میں)

(۳) نجومُ الشہابیّۃ رجومٌ للوھابیۃ (عقائد اور کلام میں)

شیخ احمد واعظ عربی و فارسی کے بلند پایہ اور برجستہ گو شاعر تھے۔ شاعری میں ان کے موضوعات نعت اور تصوف ہیں۔ مگر تصانیف کی طرح ان کا منظوم کلام بھی ضائع ہوا ہے۔ راقم کو ان کی دو طویل نظمیں دستیاب ہوئیں۔ ان میں ایک بہتر اشعار پر مشتمل ایک نعت ہے، ان میں انتیس اشعار عربی اور بقیہ فارسی میں ہے۔ دوسری نظم بظاہر درگاہ حضرت بل (سرینگر) جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مقدس موجود اور صدیوں سے محفوظ ہے، کی تعریف و تمجید میں ہے مگر درحقیقت یہ بھی نعتِ رسول ہی ہے اور مخمس کی شکل و ہیئت میں ہے۔

پہلی نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

اولم یکفنا مِنَ البرھان	لی مع اللہ یا رسول اللہ
ان نرعِ ناعتاً لاوصافک	قول لولاک یا رسول اللہ
قد ابان الالٰہ من مجدک	حسبنا اللہ یا رسول اللہ
انت من اعجز الوریٰ کلہ	کنہٗ معناک یا رسول اللہ

من تعدّی لعدّ احسانک　　کیف احصاہ یا رسول اللّٰہ
انّما انت رحمۃ مہداۃ　　نعمۃ اللّٰہ یا رسول اللّٰہ
لا یخف خائفاً من الاھوال　　صرت ملجاہ یا رسول اللّٰہ

اسی نعت کے چند تلمیحی اشعار یہ ہیں :

حنّ جذع و انّ من بعدک　　وافراقاہ یا رسول اللّٰہ
قال فجعًا علیک بوبکرٍ　　واخلیلاہ یا رسول اللّٰہ
سلّ سیفاً عمرُ علی الناعی　　قال حاشاہ یا رسول اللّٰہ
صار عثمان ساکتاً عمّن　　جاء ماجاہ یا رسول اللّٰہ
اقعد المرتضیٰ ولم ینہض　　عندَ مثواہ یا رسول اللّٰہ
ضج وارتج عندک الاصحابُ　　وابنیّاہ یا رسول اللّٰہ
اھل بیت الکرام قد صاحوا　　واصفیاہ یا رسول اللّٰہ

آثار شریف حضرت بل (سرینگر) کی شان میں کہے گئے۔ طویل مخمس کے چند اشعار یہ ہیں[1]:

قد بدت شمس النبوۃ فحو الآثار الشریف　　قد حکی الاعجاز حقاً نحو الآثار الشریف
یاسکاریٰ الحبّ روموا صحو الآثار الشریف　　بالبدن والروح سیروا نحو الآثار الشریف

ایھا العشاق سیروا نحو الآثار الشریف

شرفی الرسل طراً خیرھم خیر البشر　　لیلۃ المعراج حقاً قد رای اللّٰہ بالبصر
من راہ قد رای الحق کما ورد الخبر　　من یفتہ رؤیتہٗ فلینظر الشعر المنیف

ایھا العشاق سیروا نحو الآثار الشریف

یہ مخمس خاصا طویل ہے اور محوّلہ بالا پنج مصرعہ بندوں کی طرح چونتیس ۳۴ بندوں پر مشتمل ہے[1]

[1] اربعین : حافظ محمد حسن گاڈھیاری : ص ۱۳ - ۱۸، مطبع مجددّی امرتسر

شیخ عبدالرشید شوپیانی | شیخ عبدالرشید کشمیر کے مشہور اور تاریخی قصبہ شوپیان (قدیم شاہ پایاں) کے رہنے والے تھے۔ تاریخی اہمیت رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ جگہ مناظر فطرت سے بھی معمور ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرشید خود بھی ایک جگہ شوپیان کے قدرتی حسن وجمال پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں ؎

الشوپیان... قصبۃ من اعمال کشمیر بینھا وبین قاعۃ البلدۃ اربع فراسخ بھا یضرب المثل حتّٰی فی کشمیر بعذوبۃِ الماء ولطافۃ الھواء ونظارۃ الخضراء والاطراف والارجاء[1]	شوپیان کشمیر کے مضافات میں سے ایک قصبہ ہے، مرکز شہر اور شوپیان کے درمیان چار فرسخ کا فاصلہ ہے۔ شوپیان پانی کی مٹھاس، ہوا کی لطافت اور اطراف واکناف کی سرسبزی اور شادابی میں کشمیر میں ضرب المثل ہے۔

مولانا عبدالرشید مسلکاً اہل حدیث تھے، ابتدائی تعلیم شوپیان اور ملحقہ اطراف کے علماء سے پائی۔ بعد میں بھوپال آئے اور یہاں نواب صدیق حسن خان کے علمی حلقے میں شامل ہوئے۔ نواب صاحب نے مولانا عبدالرشید کو صاحب صلاحیّت پایا اور اپنا معتمدِ خاص بنایا۔ کچھ وقت کے بعد افتار کا محکمہ بھی انہی کو سونپا۔ انھوں نے یہ ساری خدمات نہایت عمدگی سے انجام دیں۔ کافی وقت کے بعد نواب صاحب کسی وجہ سے ان سے ناراض ہوئے اور مولانا کو جلاوطنی کا حکم سنایا۔ مولانا ہوشنگ آباد آئے۔ یہاں انھیں زبردست مصیبتوں اور تلخیوں کا نشانہ بننا پڑا۔ ان کا سارا صبر وسکون ختم ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ میری مثال ایسے شخص کی ہوگئی ہے جو کہتا ہے: ذبحت نفسك لكن لا بسكين[2] نواب صاحب کی طرف سے مولانا اگرچہ پریشانیوں میں مبتلا ہوگئے، مگر نواب صاحب کے اہل بیت کا خلوص اور احترام

---

[1] المنتقیٰ: ص ۳۵ (مقدمہ) مطبع فاروقیہ دہلی ۱۳۱۹ھ

[2] ظفر اللاضی بما یجب فی قضاء علی القاضی: نواب صدیق حسن: ص ۱۶۱

مولانا عبدالرشید کے ساتھ برقرار رہا۔ نواب صاحب کے فرزندوں نے جب اپنے والد کا رسالہ ظفر الاضی شائع کیا تو مولانا عبدالرشید ہی سے تقریظ لکھوائی جو رسالے کے آخر پر موجود ہے۔ اس تقریظ میں مولانا نے اپنے درد و غم کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، بالآخر اسی حالت میں ۸ صفر ۱۲۹۸ھ میں جبلپور میں انتقال کیا۔

مولانا عبدالرشید اسلامی علوم کے بلند پایہ عالم تھے۔ انھوں نے عربی میں متعدد رسالے لکھے ہیں۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ عربی زبان و ادب پر ان کی وسعتِ نظر کے بارے میں مولانا عبدالحی حسنی نے لکھا ہے:

کان من علماءِ المبرّزین فی النحو واللغة	زبان اور نحو میں ممتاز علماء میں سے تھے، ادبی
..... کان بارعاً فی المعارف الادبیة[1]	علوم میں مہارت رکھتے تھے۔

مولانا عبدالرشید نے حافظ ابوالبرکات ابن تیمیہ کی "المنتقیٰ" پر بڑا بسیط اور فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے اور اس مقدمے کے آخر پر کتاب، مؤلفِ کتاب اور شارح کی شان میں عربی میں ایک طویل نظم لکھی ہے۔ ہم اس نظم سے چند اشعار نقل کرتے ہیں ؎

حیا الالٰہ مرابع الجیران — کنا بھا نلھو مع الغزلان

وسقی ریاضاً عابقات اتحفت — غرفُ الجنان بمھجة الولھان

سامی المدیٰ فی سنّة محمدیةٍ — نامی العُلیٰ فی قوة الایمان

اعنی بہ الشیخ الحدیث ھمامہٗ — من غیر انکارٍ ولا شنآن

قد بان علم الدین من احکامہٖ — یربی علی القمرین فی التبیان

من انتقاہ لنفسہ بورع الوریٰ — وقد احتقی لعنایة الرحمٰن[2]

---

[1] نزهة الخواطر: ج ۷ ص ۲۶۱

[2] المنتقیٰ: ص ۳۶-

مولانا نے ظفر اللاضی کی تقریظ کی ابتداء میں آٹھ شعر لکھے ہیں جو حمد و صلوٰۃ پر مشتمل ہیں اور مولانا کی قادر الکلامی اور برجستہ گوئی کا بیّن ثبوت پیش کرتے ہیں ان میں چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں لہ

اسم الالٰہ العالمین ابتدی — ولِسَانی ہذا اقتدی
سبحانک اللھم لا نحصی الثنا — علیک ما عجز عنہُ الالسُنا
ثم صلوٰۃ اللہ والتسلیم — علی نبیِّ ھدایہ قویم
محمدٌ ماحی الظلام الکفر — عن ساحۃ الدنیا بنور الذکر
من ختم اللہ بہ الرسالۃ — وطھّر الارض مِن الضلالۃ

سیف الدین تارہ بلی | سیف الدین منطقی سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ والد بزرگوار کا نام فضل اللہ بن نصر اللہ تھا۔ ان کے اسلاف سلطان سکندر کے زمانۂ حکومت (۱۳۸۹ء تا ۱۴۱۳ء) میں حضرت میر سید محمد ہمدانی رح کے ساتھ کشمیر تشریف لائے تھے۔ بعض حضرات کے نزدیک آپ سید جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے اور آپ کے خاندان کا کشمیر وارد ہونے والا پہلا شخص سید حسین منطقی تھا۔ سید حسین عقلی علوم میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے اور منطقی کہلانے کی وجہ بھی یہی تھی۔

میر سیف الدین منطقی اپنے وقت کے بڑے عالم، کشمیری، فارسی اور عربی کے پختہ شاعر اور روحانی مرشد تھے۔ آپ کو مشہور شیخ طریقت اور ولی کامل شیخ احمد تارہ بلی کا فیض یافتہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ افغانستان کے آخری بادشاہ شجاع الملک کے بچوں کے اتالیق بھی رہ چکے تھے۔ ۱۲۹۰ء میں لدھیانہ میں انتقال کیا۔ بعض تذکرہ نویسوں کے نزدیک مرحوم کشمیر ہی میں دفن ہیں ۲؎

لہ ظفر اللاضی: ص ۱۶۱۔ ۲؎ تاریخ کشمیر: محی الدین مسکین فتحات کبرویہ (قلمی)